ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

بشریٰ معروف

اسکالر پی ایچ ڈی، شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ۔

ڈاکٹر محمد الطاف یوسفزئی

صدرِ شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ ۔

مختار مسعود کے ہاں فلیش بیک 'آواز دوست اور سفر نصیب' کے تناظر میں

Bushra Maroof*
PhD scholar, Department of Urdu, Hazara University Manshera.
Dr.Muhammad Altaf Yousafzi
Head, Department of Urdu, Hazara University Manshera.
***Corresponding Author:** bushraraja32@gmail.com

Mukhtar Masood's Flashback in the Context of 'Awaz Dost and Safar Naseeb'

Flashback is the most well-known term in literature that is included in the creation of the writer at an unconscious level. Through the flashback technique, a writer, while speaking in the present, remembers an event from the past and the writer starts exploring the past in this context and then describes it by linking the past and the present. Mukhtar Masood's first book is "Awaz-e-Dost", which was published in January 1973. "Awaz-e-Dost" contains a heart-warming story of the Pakistan movement and the existence of Pakistan, and in this sense it is considered a book of history. Safar-e-Naseeb is Mukhtar Masood's second book, which was first published in January 1981. Mukhtar Masood's use of flashback technique is an excellent example. The brilliance with which Mukhtar Masood has used this technique in his travelogues of inner Pakistan is unparalleled anywhere else.

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

Key Words: *Flashback, literature, unconscious, exploring, technique, unparalleled.*

تکنیک یونانی لفظ "Technicus" سے نکلا ہے جو انگریزی سے اردو میں آیا ہے۔ جس کے معنی "فن"، "طریقہ"، "سلیقہ" یا ڈھنگ کے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ اصطلاح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کی متعدد تعریفیں ہوئیں۔ ارسطو نے تکنیک کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے: "وہ طریقہ جس کے ذریعے فنکار اپنے موضوع کو بیان کرتا ہے، تکنیک کہلاتا ہے۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات کے مطابق:

"وہ طریقہ کار جس کے ذریعے فن کار اپنے موضوع کو پیش کرے تکنیک کہلاتا ہے"۔ (۱)

اردو ادب میں تکنیک کی تعریف کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ بیشتر لغات اور ادیبوں نے اپنے اپنے انداز میں اس کو بیان کیا ہے۔ تکنیک ہی وہ انداز ہے جس کے ذریعے کسی بھی خیال سے وجود تک کا سفر طے ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل مثال سے تکنیک کا پورا مفہوم سمجھ میں آجائے گا۔ جس طرح مکان کی تعمیر سے قبل پہلے ذہن میں نقشہ بنتا ہے۔ پھر زمین منتخب کی جاتی ہے اس کے بعد عملی طور پر نقشہ بنا کر کام کاریگروں کے حوالے کیا جاتا ہے جو دیواروں، چھتوں، دروازوں، کھڑیوں کی تنصیب کے بعد رنگ و روغن کر کے مکان مالک کے حوالے کرتے ہیں۔ پھر ان تمام کوششوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مکین اس میں آتے ہیں اور مکان گھر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ سب کچھ تکنیک کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے۔ فلیش بیک ادب کی معروف ترین اصطلاح ہے جو لاشعوری سطح پر ادیب کی تخلیق میں شامل ہوتی ہے۔ فلیش بیک تکنیک کے ذریعے ایک ادیب حال میں بات کرتے کرتے ماضی کا کوئی واقعہ یاد آجاتا ہے اور ادیب اس مناسبت سے ماضی کو کھنگالنے لگتا ہے اور پھر ماضی اور حال کو باہم پیوست کر کے بیان کرتا ہے۔ ادیب ایسے موضوع پر کچھ لکھ رہا ہوتا ہے جس کا تعلق حال سے ہی ہوتا ہے لیکن اس موضوع سے کوئی واقعہ منسوب ہوتا ہے یا ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ یہ ماضی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ فلیش بیک تکنیک انگریزی ادب سے اردو میں آئی ہے جس پر سندی و غیر سندی تحقیقی کام کرتے وقت انگریزی سے حوالہ جات لیے جاتے ہیں۔ اردو زبان کی مختلف تحقیقی کتب میں اس اصطلاح کی تعریف یوں ملتی ہے:۔

"جب کہانی میں کوئی کردار حال کو سوچ کر ماضی میں خود کو محسوس کرے اور دونوں زمانوں کو جوڑنے کی کوشش کرے تو اسے فلیش بیک کہتے ہیں"۔ (۲)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29
ماخذ تحقیقی مجلہ

مختار مسعود کی پہلی کتاب ''آوازِ دوست'' ہے جو جنوری ۱۹۷۳ء کو شائع ہوئی۔ اس تصنیف کے چوبیس ایڈیشن اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت کثرت سے ہی اس کی اہمیت و افادیت اور اثر انگیزی کا پتا چلتا ہے۔'' آواز دوست'' نقوش پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کا انتساب محبت کی آخری حد کو چھو رہا ہے والدین کی محبت سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی محبت خالص نہیں ہوتی۔ مختار مسعود نے اپنے والدین کی فرمان برداری اور محبت میں اپنا سارا جذبہ گھاس کی اس پتی اور لوح مزار کے نام کر دیا۔ مختار مسعود نے مختصر دیباچہ تحریر کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے شامل کتاب مضامین کی خصوصیات کے متعلق مزاحیہ انداز میں چند سطور تحریر کی ہیں۔ اس میں ایک حصہ طویل ترین اور دوسرا مختصر ترین ہے ذیل میں ''آواز دوست'' کے مضامین و موضوعات میں ہم فلیش بیک تکنیک کا مفصل تجزیہ پیش کریں گے۔ مینار پاکستان کی تعمیر مینار مسجد بنو امیہ، علی گڑھ کا سنگ بنیاد، کوہ نور ہیرہ، ٹوکیو کا بازار، مارشل ٹیٹو، گابا کی کتاب، ٹائن بی، نواب بھوپال، مجلس احرار، شمشاد اور امراؤ کی موسیقی، حسرت موہانی کی قید، مرگ انبوہ، ایفل ٹاور، مندر اور کلیسا، گاندھی جی، بہادر یا جنگ، پہلی جنگ عظیم، سروجنی نائیڈو اور یونیورسٹی کی تقریب، علامہ اقبال، خواجہ ناظم الدین کا خط، نوجوان رہنما اور چینی مہمان کا پہلا آٹو گراف، قائداعظم اور دیگر کئی موضوعات کو شامل کیا گیا ہے۔ مصنف نے اپنی تحریر ''آوازِ دوست'' میں مینار پاکستان کی تعمیر کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مضمون مینار پاکستان کے حوالے سے شامل ہے۔ ''مینار پاکستان'' استعارہ ہے اس تاریخی جدوجہد کا جو کہ تاریخ میں تحریک پاکستان کہلاتی ہے۔ مختار مسعود مینار پاکستان کی تکمیل کے دوران لاہور کے کمشنر کے عہد پر فائز تھے لہٰذا آپ نے مینار پاکستان کو جذبہ و دل کی نیچر اور نوجوان کے خواب کی تعمیر سمجھ کر کیا۔ مینار پاکستان کی تعمیراتی کمیٹی کے آپ صدر تھے اور اس لیے آپ نے نہ صرف تحریک آزادی کی علامت سازی میں انفرادیت کا اظہار کیا بلکہ اس پر طرہ یہ ہے کہ ''مینارِ پاکستان'' لکھ کر ادب کی تاریخ میں تحریک پاکستان کے پس منظر کو پیشہ وارانہ طریقے سے قاری کے سامنے رکھا ہے۔ تعمیر کے آغاز میں اس مینار کو یادگارِ پاکستان کہا جاتا تھا چوں کہ یادگار کے لفظ میں موت اور فنا کا تصور پایا جاتا تھا۔ مختار مسعود کی رائے پر ہی "یادگارِ پاکستان" کو "مینار پاکستان" میں مبدل کیا گیا۔ اس بارے میں مصنف لکھتا ہے:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29
ماخذ تحقیقی مجلہ

"چوکیدار سے میں نے استفسار کیا کہ یہ کیا تعمیر ہو رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یادگار۔ آج جب کاروائی کے سلسلہ میں اولین دشوار معاملہ پیش آیا تو میں نے ملتوی کرنے کا کہہ دیا تا کہ ایک ضروری معاملے پر مباحثہ ہو سکے۔ میز پر لغات کے ڈھیر لگ گئے۔ سب کا اس بات پر اتفاق تھا کہ یادگار وہ خیر کی نشانی ہے جو مرنے کے بعد باقی رہے۔ بحث و مباحثہ کے بعد جب یادگار کا عام تصور موت و فنا کے تصور سے الگ نہ ہوا تو منصوبے سے یادگار کا لفظ نکال دیا گیا۔ میز صاف کر کے اس پر پڑی لغات کی جگہ قرارداد پاکستان کے مینار نقشے پر پھیلا دیے گئے"۔ (۳)

مصنف نے مینار کی ظاہری شکل وصورت کو ایسے بیان کیا ہے کہ قاری کے ذہن میں اس مینار کی مکمل تصویر بن کر ابھرتی ہے اور پیچھے مڑ کر دیکھیں تو پاکستان اور علی گڑھ کی تحریکوں میں بار بار مینار پاکستان کی تعمیر کا احساس ملتا ہے اس بارے میں لکھتے ہیں:

"قرارداد پاکستان کی تعمیر کے سلسلہ میں قائم مجلس کی نشست تھی۔ تمام اراکین جمع تھے۔ میں اس نشست میں آج پہلی بار شامل تھا۔ دوران کارروائی پہلی شق غور کے لیے پیش ہوئی۔ میرا ذہن اس لمحے برنارڈ شاہ کے مقولہ پر غور کر رہا تھا کہ وہ جگہ جہاں دل کی خواہش اور تفویض کردہ فرائض کی حدود آپس میں مل جائیں اس کو خوش بختی کہا جاتا ہے۔ "(۴)

میناروں کے تاریخی پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مسجد بنو امیہ کا شمال کی طرف کا یہ مینار تقریباً تیرہ سو سال قبل تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ بلاشبہ ہمارے میناروں کے لیے امامت کا درجہ رکھتا ہے اور اس کی پشت پر ان گنت مینار ہیں۔ اب ایک نیا مقتدی بھی آخری صف میں آن شامل ہوا ہے جسے مینار قرارداد پاکستان کہتے ہیں"۔ (۵)

مصنف نے مختلف ممالک کے میناروں کا تذکرہ تاریخی، تہذیبی، ثقافتی اور دماغی ضرورت کے تحت کیا ہے۔ چین میں دیوار چین کے دفاعی مینار۔ مسجد بنو امیہ کے دنیائے اسلام کے سب سے پہلے مینار ہنکا کے ساحل کے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

روشن مینار، لندن کے خونی برج اور ویسٹ منسٹر کتھیڈرل کے مینار ایفل ٹاور، پیسا اور بولونا کے حمیدہ میناروں، دمشق اور قیروان کے میناروں، جر قورغان، نجاروانکند، سمرقند اور خیوہ کے میناروں، اندلس، غزہ اور الخلیل کے میناروں، منوڑہ، سکھر، لائل پور، شیخوپورہ اور گڑھی شاہو کے میناروں اور چندیری کے شمال کے مغربی پہاڑ پر بابر کے بنائے گئے دشمنوں کے سروں کے مینار کا ذکر مصنف ایجاز و اختصار سے کرتا ہے۔ "مینار پاکستان" میں نہ صرف مینار قرادار پاکستان کی تعمیر اور تجویز کا حوالہ ہے بلکہ حصول پاکستان کی پوری تاریخ کو بڑے خوب صورت انداز میں صفحہ قرطاس پر لایا ہے۔ مصنف مینار مسجد بنو امیہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "تعمیراتی مجلس کے ایک رکن قدیم ماہر تعمیرات ہیں۔ ایک دن باتوں باتوں میں کئی رازوں سے پردے اٹھے۔ معلوم ہوا کہ اسلامی دنیا کا قدیم ترین مینار مسجد بنو امیہ کا ہے۔ دمشق کے ایک بازار میں ایک دن میں گھومتے ہوئے خمدار ٹین کی چادروں کی چھت پر نظر پڑی، اس کی شکل وصورت ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم کی طرح تھی۔۔۔ اس مینار کی ایک تصویر بنا کر دیکھا تو حیرت کی تصویر بن گیا۔ مسجد بنو امیہ کا یہ مینار تیرہ، چودہ سو سال پرانا تھا۔"(۶)

مصنف نے اپنی تحریر میں مینار پاکستان کی تعمیر کا ذکر کرتے کرتے علی گڑھ کے سنگ بنیاد کی طرف چلا جاتا ہے۔ فلیش بیک تکنیک کے ذریعے مصنف اپنی تحریر میں نکھار اور ڈرامائیت پیدا کرتا ہے۔ وہ بات کے دوران ذرا ٹھہر کر قاری کو ماضی کی بھی سیر کرا کر واپس لاتا ہے اور پھر بات کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ مصنف دنیا بھر میں موجود میناروں کی بات کرنے کر کے جب اصل موضوع پر آتا ہے تو یہ سوال کرتا نظر آتا ہے کہ مینار پاکستان کی بنیادوں میں کون سا مسالا ڈالا گیا ہے۔ ماہرین کے جواب پر مصنف کو فلیش بیک کے ذریعے علی گڑھ کے سنگ بنیاد کا منظر یاد آ جاتا ہے اور وہ قاری کے سامنے اس منظر کو اسی طرح لاتا ہے کہ قاری بھی اس اہم واقعہ کا عینی شاہد بن جاتا ہے۔ اس بارے میں مختار مسعود کا بیان کچھ یوں ہے:

> "مجلس تعمیر کی آج پھر نشست تھی۔ میرا سوال تھا کہ اس مینار کی بنیادوں کی گہرائی کتنی ہے اور ان میں کون سا مسالا استعمال ہوا ہے۔ جواب آیا کہ بنیادیں بہت گہری ہونے کے ساتھ پائیداری کی خاطر اعلیٰ درجے کا ریختہ استعمال ہوا ہے۔۔ اسی لمحے میں نے اپنی آنکھیں بند کر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلّہ

لیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے سنگ بنیاد کا منظر تھا۔پٹیالہ سے ایک خصوصی ٹرین چل کر صبح سویرے چھوٹے سے اسٹیشن پر کھڑی ہو گی۔۔سنگ بنیاد کی تقریب دوپہر کو منعقد ہو رہی تھی۔وسیع پنڈال سج گیا۔مہمانوں کا بہت زیادہ رش تھا۔۔خطاب شروع ہوئے۔تمام تقاریر کے اختتام پر مہمان خصوصی شامیانے کے اُس کونے پر پہنچے جہاں بنیاد رکھنی تھی"۔ (۷)

گویا مختار مسعود یہ بتانے کی سعی کر رہے ہیں کہ مینار پاکستان کا علی گڑھ سے خاص تعلق رہا ہے۔علی گڑھ سے اندھیروں میں روشنی پیدا ہوئی۔اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے کہ علی گڑھ نے ہماری سیاسی اور اسلامی تحریک کی اٹھان میں خشت اول کا کردار ادا کیا۔مختار مسعود اپنی تصنیف میں علی گڑھ کا ذکر بار بار کرتے ہیں۔ان کی ساری تعلیم علی گڑھ سے تھی۔ان کی شخصیت تحریک علی گڑھ میں پروان چڑھتی ہے یہ تحریک آزادی بھی ہے اور مسلمانوں کی زبوں حالی مفلوک الحالی سے خوش اور آزادی خیالی کے سفر کی جانب پہلے قدم کا درجہ رکھتی ہے۔یہ ادارہ نہیں بلکہ استعارہ بن کر سامنے آتا ہے۔وہ علی گڑھ کو صرف ایک درس گاہ نہیں مانتے بلکہ مملکت خداداد کی بنیاد اور ایک تحریک سمجھتے ہیں۔مختار مسعود کی تصنیف "آوازِ دوست" میں کوہ نور ہیرے کا بھی تذکرہ ہے۔مصنف کہتے ہیں کہ انھیں کوہ نور ہیرہ دیکھنے کی بہت خواہش تھی لیکن اسے دیکھنے کے بعد انھیں نہایت مایوسی ہوئی۔اس کے علاوہ مصنف کوہ نور ہیرے کے متعلق ایک تاریخی واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پرانے وقتوں میں اونچے میناروں کا رواج اس لیے تھا کہ دوسرے جہان تک رسائی میں آسانی ہو۔شہاب الدین نے جب محمد تغلق کو عدل کرنے والا حکمران تسلیم کرنے سے انکار کیا تو انھیں ایک مینار پر لے جایا گیا جہاں سے بغیر سیڑھیوں کے نیچے اتارا گیا۔انجام ظاہر ہے۔مجھے محمد تغلق کا مینار دیکھنے کا اتفاق تو نہیں ہوا البتہ ٹاور آف لندن ضرور دیکھا ہے۔جہاں کوہ نور ہیرا رکھا گیا ہے۔اس لیے میرا شوق مجھے وہاں لے گیا۔۔مگر ہیرا دیکھتے ہی میرا شوق مایوسی میں بدل گیا۔حیرت ہوئی کہ نادر شاہ نے کیوں اس پتھر کے لیے اتنا قتل عام کیا۔مجھے تو اس ہیرے میں کوئی کشش نظر نہ آئی۔مگر جب رنجیت سنگھ کی نظریں اس پر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29
ماخذ تحقیقی مجلہ

پڑی تو بقول مورخ "سرکار دولتمند اراز مشاہدہ بسیار از منفرخ و منشرح شدہ۔۔"میں جواہر کی اس دنیا سے اداس لوٹا۔"[۸]

مصنف اپنی تحریر میں ٹوکیو کے بازار کے متعلق بیان کرتے ہیں ۔ بازار سے چند کتابیں خریدیں۔ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے مصنف جاپان کے لوگوں کے متعلق چند حقائق بھی بیان کرتے ہیں:

"ٹوکیو کے ایک بڑے سٹور سے میں نے چند کتابیں خریدیں ان کا موضوع آرائش گل تھا۔ اس فن میں اہل جاپان نے اتنا کمال حاصل کر رکھا ہے کہ جن دنوں فاتح امریکی جنرل میکارتھر اپنے فوجی ہیڈ کواٹر میں بیٹھ کر جاپانیوں کو جمہوریت سکھا رہے تھے ان کی بیوی آرائش گل کے ایک مکتب میں زیر تربیت تھیں۔ امریکہ نے جاپان کو جہاں بانی کا سبق دیا اور جاپان نے باغبانی کا۔"[۹]

مختار مسعود اپنی تحریر میں مارشل ٹیٹو کو ذکر کرتے ہیں۔ دراصل مصنف اپنے دستاویزات پر مارشل ٹیٹو کے دستخط درکار تھے۔ دستخط لینے کی بات کرتے کرتے مصنف مارشل ٹیٹو کی آمد اور شاہی مسجد و مزار اقبال پر حاضری کی داستان بھی شامل کرتے ہیں۔ مصنف اپنی تحریر میں مارشل ٹیٹو کا احوال بڑی خوب صورتی اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جب مارشل ٹیٹو کی پہلی نظر مسجد پر پڑی تو وہ حیرت کا شکار ہو گئے۔ ان کے جذبات کی بہت بہترین عکاسی کی گئی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

"مارشل ٹیٹو کی موٹر سیڑھیوں کے پاس رکی، وہ آہستہ آہستہ اوپر چڑھے۔ وہ سر جھکائے باتیں کر رہے تھے۔۔ پہلی بار ٹیٹو نے سر اٹھایا اور مسجد کی عمارت کو دیکھا۔ وہ اس وقت صدر دروازے کو طے کر کے صحن میں داخل ہوئے تھے۔ مارشل ٹیٹو کے چہرے کا رنگ یکایک بدل گیا تھا۔ کسی نے ان کے پاؤں فرش سے جکڑے اور عینک کے شیشوں کے پیچھے آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ دیر تک وہ پلک نہ جھپک سکے۔ میں نے ان کے چہرے پر تاثر کے رنگ دیکھے: حیرت، ہیبت اور حسن زدگی"۔[۱۰]

مصنف اپنی تحریر میں گاباکی کتاب کا ذکر کرتے ہیں مصنف لکھتے ہیں:

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29
ماخذ تحقیقی مجلہ

"گابا کی کتاب میں پڑھی نہیں صرف دیکھی اور سنی ہے۔ ایک بار گرمیوں کی چھٹیوں میں امرتسر آیا اور جہاں ٹھہرا وہاں ایک نوجوان اس کتاب کے مطالعے میں غرق تھا۔ میں ان کے انہماک سے متاثر اور ان کی راز داری سے خائف ہوا۔ وہ کتاب کو سب سے چھپا کر پڑھتے تھے۔ انہوں نے کتاب کا تعارف یوں کرایا کہ والیان ریاست اس کا پورا ایڈیشن خرید کر جلا دیتے ہیں۔۔۔"(۱۱)

ٹائن بی کی وجہ شہرت تاریخ نگاری ہے۔ ان کی مشہور کتاب "تاریخ کا مطالعہ" ان کی اس شہرت کو چار چاند لگاتی ہے۔ اس عظیم مورخ نے حوادثِ زمانہ کو صرف تماشائی کے طور پر نہیں دیکھا بل کہ ایک ادیب اور فلسفی کی حیثیت سے اس نے ہر لمحے کو اپنے ذہن میں گزرتا ہوا محسوس کیا ہے۔ تاریخی کتب میں مورخ اکثر اپنے نظریات کا پرچار کم کرتے ہیں لیکن ٹائن بی نے اپنی الگ شناخت بنائی ہے۔ مختار مسعود ٹائن بی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ٹائن بی کی وقعت اس کی شہرت پر حاوی ہے۔ ان دونوں خصوصیات کا انحصار اس کی کتاب "تاریخ کا ایک مطالعہ" پر ہے۔ اس کتاب میں محض کسی عہد یا علاقے کی تاریخ کو بیان نہیں کیا گیا ہے بل کہ اس میں انسانی اور عالمی تاریخ کی ایسی جانچ پرکھ ہے کہ جس کی وجہ سے تاریخ کا ایک نیا فلسفہ سامنے آتا ہے۔"(۱۲)

بھوپال کے نواب کا تذکرہ مصنف نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ کیا ہے ان کے بارے میں فلیش بیک کی تکنیک مصنف کے ہاں اپنے پورے زوروں پر نظر آتی ہے اس میں خاکہ نگاری کے عناصر بھی شامل ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نواب صاحب قاری اور مصنف کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں:

"نواب بھوپال نے سوٹ پہن رکھا تھا اور وہ ایک عام آدمی کی طرح محفل میں شامل تھے۔ چند لمحات کے لیے بھی ایسا محسوس نہ ہوا کہ یہ قبیلہ کے رکن ہیں جن کی آراستہ پیراستہ تصویر میں درجنوں کے حساب سے ہر سال سٹیٹمنٹس ایر بک (year book) چھپا کرتی تھی۔۔۔ یہ نواب ان بہروپیوں سے مختلف نکلا۔ ابھی یہ خاموش بیٹھا ہے جب تقریر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

کرنے کے لیے اٹھے گا تو ایک پرانے علیگ کے علاوہ اس کی ہر حیثیت ماند پڑ جائے گی، نواب
بھوپال نے تقریر اردو میں کی، وہ نرم گفتار اور کم سن نکلے۔"(۱۳)

مصنف نے اپنی تحریر میں دو گانے والی خواتین کا ذکر بھی کیا ہے۔ شمشاد اور امراؤ دونوں بہت شہرت تھی۔ ان کی شہرت ماضی کی ایک یاد بن کر رہ گئی تھی جسے مصنف نے اپنی تحریر میں شامل کر کے پھر سے زندہ کیا۔ مصنف ان کے متعلق رقم طراز ہیں:

"شمشاد اور امراؤ دونوں کا شہرہ تھا، علیحدہ علیحدہ گاتی تھیں، جب پہلی بار مل کر گایا تو لطف دوبالا ہو گیا۔ شمشاد کی آواز باریک تھی اور امراؤ کی آواز میں کھرج تھا۔ دونوں لہک لہک کر گا رہی تھیں۔ آواز میں جادو تھا اور غزل میں برجستگی، ایک سماں بندھ گیا۔" (۱۴)

مختار مسعود نے اپنی آٹوگراف البم میں پانچویں آٹوگراف کے حوالے سے رئیس المتغزلین حسرت موہانی کا ذکر کیا ہے۔ حسرت موہانی کی قید کی یاد بھی شامل کی ہے۔ حسرت نے قید کے دوران جو مصیبتیں اور پریشانیاں برداشت کی ہیں ان سب کا ذکر اپنی تحریر میں کیا ہے۔ حسرت کی قید کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"حسرتؔ کی قید ان کے لیے اذیت اور مشقت ہی لائی۔ انھوں نے میرٹھ، لکھنو، فیض آباد، پرتاپ گڑھ، علی گڑھ، الہٰ آباد، جھانسی کی جیلوں میں قید کاٹی۔ علی گڑھ سے الہٰ آباد منتقل ہوئے تو سفر کا خرچ بھی نہ مل سکا جو ایک آنا یومیہ تھا۔ کچھ دیر چنے کھائے اور باقی وقت فاقے میں ہی گزارا۔ ان کی نظر کافی کمزور تھی۔ عینک بھی مال خانے میں جمع ہو گئی۔ پیسہ کم ہونے کی وجہ سے ان کی پردہ دار بیوی کی ذمہ داری لگ گئی کہ وہ دکان پر کھدر بیچنے کا کام کرے۔۔۔۔"۔(۱۵)

مصنف نے اپنی تحریر میں قحط الرجال کے ساتھ ساتھ مرگ انبوہ کے ذکر بھی کیا ہے۔ مرگ انبوہ کے حوالے سے مصنف رقم طراز ہے:

"جب قحط پڑتا ہے تو اس دوران موت سستی ہو جاتی ہے اور قحط الرجال میں زندگی ارزاں۔ قحط میں اموات کی کثرت کا جشن ہوتا ہے اور حیات بے مصرف کا ماتم ہو تو قحط

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29
ماخذ تحقیقی مجلہ

الرجال۔ایک جہاں میں موت کا رنج اور دوسرے میں زندگی کی ناحق تہمت۔ایک طرف آخرت کا منظر اور دوسری جانب محض حشرات الارض۔زندگی کا پیچھا کرنے والے قحط سے زیادہ قحط الرجال کے لیے فکر مند ہوتے ہیں۔"(۱۶)

مصنف اپنی تحریر میں پیرس کے سفر کے دوران دیکھے گئے۔ایفل ٹاور کی یاد کو شامل کرتے ہیں۔مصنف اس قدر خوب صورتی کے ساتھ اس یاد کو بیان کرتے ہیں کہ قاری خود کو مصنف کے ساتھ ایفل ٹاور کے سامنے کھڑا پاتا ہے۔مصنف لکھتے ہیں:

"پیرس میں دیکھنے کے لیے بہت کچھ ہے مگر کچھ ایسے کم حوصلہ بھی ہیں جو لوور (loure) گیلری اور ایفل ٹاور پر ہی قناعت کر لیتے ہیں۔معلوم ہوا ہے کہ جاپان میں ایفل ٹاور کی نقل چند برس قبل بنائی گئی ہے اور اکثر مقامات پر لوگ اس نقل کی نقل بھی کرتے ہیں۔ضرورت کے مطابق وقت گزرنے کے ساتھ اکثر میناروں کی اوپر والی منزل بوسیدہ ہو کر گر جاتی ہے یا خطرات کی وجہ سے گرادی جاتی ہے۔یوں متعدد مینار عمر رفتہ کے ساتھ قد کاٹھ میں بھی چھوٹے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ایفل ٹاور اگرچہ ۱۸۸۹ء میں بنایا گیا مگر اس کی قدو قامت میں اسی سال کے عرصہ میں گھٹنے کے بجائے ۵۵ فٹ مزید اضافہ ہو گیا۔"(۱۷)

مصنف ایفل ٹاور کا ذکر کرتے کرتے دیگر میناروں کے ذکر کی طرف نکل پڑتے ہیں ایک انوکھے مینار کا حال بھی اپنی تحری میں شامل کرتے ہیں:

"سیاٹل (Seattle) کی بین الاقوامی نمائش کے موقع پر پہلی بار سنا کہ ایک مینار کی تعمیر صرف اس لیے کی جارہی ہے تا کہ اس کے گنبد میں ریستوران کھل سکے۔پھر دیکھتے ہی دیکھتے طعام گاہوں کی قطاریں لگ گئیں۔اب چائے کی پیالی پینے کے لیے قطب مینار سے دوگنی بلندی تک جانا پڑتا ہے۔بل کہ جب تک وہاں چائے پئیں گے وہ ریستوران گھومتا رہے گا۔"(۱۸)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29
ماخذ تحقیقی مجلہ

مصنف نے اپنی تحریر میں جنگ آزادی کی یادوں میں گاندھی جی کی یاد کو بھی شامل کیا ہے۔ ۱۹۴۶ء میں قائد اعظم نے ایک تقریر میں آزادی کے متعلق اپنے اور گاندھی جی کی کوششوں کو لے کر ایک تاریخی جملہ کہا:

"برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنے کا خواہش مند ہے اور گاندھی جی کی حکومت کرنے کی اپنی خواہشات ہیں۔ جب کہ ہم چاہتے ہیں کہ وہ دونوں اکٹھے ہو جائیں یا تنہا ہم انھیں اپنے اوپر حکومت نہیں کرنے دیں گے"۔ (۱۹)

مصنف نے اپنی تحریر میں مندر اور کلیسا کی کی گئی مخالفت بھی بیان کی ہے۔ اس مخالفت کے ساتھ ساتھ مسجدوں کی بھی مخالفت ہوئی۔ مصنف اپنے ایک ساتھی کو بتاتے ہیں کہ مندر اور کلیسا کے ساتھ ساتھ مسجدوں کی بھی مخالف ہوئی۔ اس حوالے سے مصنف کا کہنا ہے:

"مندر اور گرجا گھر کی طرح ڈیڑھ اینٹ کی مساجد پر بھی کچھ مخالفت ہوئی۔ کیوں کہ ان مسجدوں میں اذان تو ہوتی تھی مگر جماعت اور نماز کا انتظام بالکل نہ تھا۔ ایک قوم پرست مسلمان وزیر اعظم کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ اس کا گاندھی پر جتنا ایمان تھا اگر اتنا اللہ پر ہوتا تو ولی گردانے جاتے۔" (۲۰)

مصنف نے اپنی تحریر میں محمد بہادر کا ذکر کیا ہے۔ محمد بہادر کا لقب بہادر یار جنگ ہے۔ یہ خطاب اسے فرمان شاہی کی رو سے ملا۔ مصنف اپنی تحریر میں محمد بہادر خاں کی طبیعت کے متعلق لکھتے ہیں:

"بہادر یار جنگ کی طبیعت مشکل پسند اور حق پسند تھی۔ انھوں نے اسی لیے سزاوالے حکم کی رسید لکھ دی۔ جاگیر ضبط ہو کر خطاب بھی واپس ہو گیا۔ اگر چہ مشکلات نے گھیرا مگر عزت و توقیر میں اضافہ ہو گیا۔ یوں خطاب واپس ہونے پر انھیں نقصان کی بجائے فائدہ ہوا کیوں کہ ان کا اصلی نام انھیں واپس ملا جس میں حضور اکرم ﷺ کا نام بھی شامل ہے"۔ (۲۱)

مصنف نے اپنی تحریر میں پہلی جنگ عظیم کی یاد بھی شامل کی ہے۔ اس جنگ کا دور ختم ہوا تب کی یاد اور اس جنگ کے دوران کی مشکلات بیان کی ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29
ماخذ تحقیقی مجلہ

"پہلی جنگ عظیم کا سنا تو یہ خیال ذہن میں آیا کہ اگر موجودہ وقت میں کہیں جنگ ہوئی بھی تو وہ دور دراز علاقوں میں ہی ہو گی۔ ہمارے علاقہ کے متعلق راوی چین ہی لکھے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ غلط فہمی بھی ختم ہو گئی کہ جنگ کے لیے وقت اور جگہ کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کسی بھی لمحے اور کسی بھی خطے میں ہو سکتی ہے۔"(۲۲)

مصنف نے اپنی تصنیف میں سروجنی نائیڈو کی یونی ورسٹی کی تقریب میں شرکت کی یاد کو شامل کیا ہے۔ مصنف سروجنی نائیڈو کی آمد کے حوالے سے ان کی تقریر کو اپنی تحریر میں پیش کرتے ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں:

"سروجنی جب اسٹریچی ہال میں تقریر کرنے کے لیے کھڑی ہوئیں تو لوگوں کا خیال تھا کہ وہ مسلم یونی ورسٹی کی حمایت کا مشروط اعلان کریں گے۔ سروجنی نے تقریر شروع کی اور کہا کہ میں آج یہاں کئی لوگوں کے مشوروں کے برخلاف اور چند لوگوں کی دھمکیوں کے باوجود آئی۔ میں دھمکیوں کو خاطر میں لانے والی نہیں ہوں۔ یہاں پہنچ آئی ہوں۔ بلبل کو بھلا چمن میں جانے سے بھی کوئی روک سکتا ہے۔"(۲۳)

مصنف نے اپنی تحریر میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کی قائد اعظم محمد علی جناح کے بارے میں لکھی گئی شاعری کا ذکر بھی شامل کرتے ہیں۔ علامہ نے شاعری جس تناظر میں بیان کی ہے اور ان کی جو سیاسی فکر ہے اس کی تفصیل مصنف نے بیان کی ہے:

"شاعر مشرق نے قائد اعظم کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس میں شاعری کا کوئی داخل نہیں ۔۔۔ علامہ اقبال کی رائے ذاتی نوعیت کی ہے اور مخفی اور نجی خط و کتاب میں انھوں نے اس کا اظہار بڑے اخلاص اور درد سے کیا ہے"۔(۲۴)

مختار مسعود کا ہر کردار اپنے اندر خوب صورت کہانیاں لیے ہوتا ہے۔ مصنف نے علامہ اقبال کی شخصیت کو بھی بڑی مہارت سے قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ مصنف اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مینارِ پاکستان کی منزلیں چڑھتے جارہے ہیں اور آپس میں تحریک آزادی پاکستان کے بارے میں گفتگو بھی جاری ہے۔ اسی گفتگو کے دوران مختار مسعود خواجہ ناظم الدین کے اس خط کو یاد کرتے ہیں۔ جو انھوں نے ایک لڑکے کو لکھا تھا۔ خواجہ ناظم الدین مملکت

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

خداداد پاکستان کے دوسرے گورنر جنرل اور دوسرے وزیر اعظم تھے۔ آپ ۹ جولائی ۱۸۹۴ کو بنگلہ دیش میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم جامعہ علی گڑھ سے ہوئی۔ مصنف کو ان کے لکھے گئے خط کا متن یاد آتا ہے جو کچھ ایسے ہے:

"خواجہ صاحب نے علی گڑھ میں زیر تعلیم اپنے بیٹے کو تحریک پاکستان کے کام میں غفلت نہ کرنے کے بارے میں لکھا۔ ان کا بیٹے کو کہنا تھا کہ تمہارے امتحان آئندہ پھر ہو سکتے ہیں مگر قوم جس امتحان میں ہے ایسا امتحان دوبارہ نہیں آیا کرتا"۔ (۲۵)

اسی گفتگو کے دوران مختار مسعود ایک بار پھر ماضی کے جھروکے میں جھانکتے ہیں اور نوجوان رہنما کے آٹو گراف کو یاد کرتے ہیں اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"ایک راہنما کی یاد آئی۔ جوان شعلہ رو اور شعلہ بیان، ہم نے انھیں سر آنکھوں پر رکھا۔ جلسے کرائے، جلوس نکالے، تقریریں سنیں۔ تعریفیں کیں۔ مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب ان کے ساتھ گروپ فوٹو کا اہتمام ہوا۔ اس فوٹو کی ایک کاپی پر ہم نے اپنے کاپی پر ہم نے اپنے جذبات کو اسمائے صفات میں ڈھالا اور اسٹیشن پر وہ کاپی ان کی نذر کی۔ تحسین و تلقین سے نوازے گئے۔ پھر انھوں نے ایک جملہ میری آٹو گراف بک میں لکھ دیا۔ کل یہ تحریک تاریخ بن جائے گی۔ پھر یہ دستخط نایاب ہوں گے۔" (۲۶)

"قحط الرجال" کا آخری آٹو گراف قائد اعظم محمد علی جناح کا ہے۔ قائد اعظم حقیقی قائد کی خوبیوں کا مجسمہ تھے۔ قائد اعظم کے بارے میں مختلف ادوار میں مختلف لوگوں نے بہت کچھ کہا اور بہت کچھ لکھا۔ قائد اعظم کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ، مسلم یونی ورسٹی میں ابتدائی مشکلات، سروجنی کا قائد اعظم کے بارے میں دیباچہ اور پیش گوئی۔ علامہ اقبال کو قائد اعظم کا خط، علامہ کو پہلی بار دیکھنا، تحریک پاکستان کا سفر، قائد اعظم کا احوال، دستخط کا ذکر، مس فاطمہ جناح، لیاقت علی خان، قائد اعظم کے سامنے اپنی نظم پیش کرنا، قائد اعظم کی گاڑی کا نقشہ، قائد اعظم کا علی گڑھ تشریف لانا، حصول پاکستان کے لیے مشکلات، ایک بڑی شخصیت اور اس کے اوصاف کا ذکر کیا۔ ہندوستان میں مسلم حکومتوں کے وجود کی تاریخ کا تجربہ کیا ہے اور قائد اعظم کو شہاب الدین کہا ہے۔ اس سلسلے میں کہتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

"نطشے کا کہنا تھا کہ انقلاب فرانس کی وجہ یونین کا ظہور تھا۔ ہمارے حالات بھی عظیم فلسفی کی بات کو تقویت دیتے ہیں کیوں کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قائداعظم کا ظہور بھی سرسید کی درسگاہ اور اقبال کے اشعار کے باعث ممکن ہوا اور یہی خوبی علی گڑھ اور پاکستان کا جواز بنی"۔ (۲۷)

آوازِ دوست" میں تحریک پاکستان اور وجود پاکستان کی دل آویز داستان ہے اور یہ اس اعتبار سے تاریخ کی کتاب مانی جاتی ہے ۔ اس کتاب میں تاریخی شخصیات ، ان کا تاریخی کردار ، تاریخی قربانیاں ، تاریخی تقریروں ، رسائل ، اخبارات ، تعلیمی ادارے اور ان سے وابستہ لکھاری ، طلبا ، عوام وخواص ، مغرب و مشرق کے دانش ور ، خطیب ، تحریک آزادی کے کارکنان ، بوڑھے ، بچے ، جوان اور سبھی ایک قافلے پر گامزن نظر آتے ہیں اور وہ قافلہ تحریک آزادی کا قافلہ ہے۔ آوازِ دوست" ہماری سیاسی تاریخ کی آئینہ دار ہے۔ جس میں سبھی چہرے نمایاں دکھائی دیتے ہیں یہ کتاب تحریک نہیں بلکہ پورے ایک عہد کی آئینہ دار ہے جس کی کاوش کا نتیجہ ظہورِ پاکستان ہے۔ اس کی زبان سادہ اور ذائقہ دار ہے ۔ اس میں فارسی محاورات کی ندرت موجود ہے لیکن انگریزی آمیزش نہیں ، قرآنی آیات کے تذکروں نے روح میں پاکیزگی کا سماں پیدا کیا ہے۔ "آوازِ دوست کا دوسرا مضمون 'قحط الرجال' کے نام سے ہے جس میں چند شخصیات کا ذکر ہے۔ اگرچہ ان شخصیات کے متعلق الگ مضامین بھی لکھے جاسکتے ہیں مگر ان کو سمیٹنا مشکل کام ہے۔ لیکن مختار مسعود نے یہ کام بڑی ہنر مندی اور سلیقہ شعاری سے کیا اور تمام تر شخصیات کو ایک مضمون میں سمونے میں کامیاب ہوگئے اور اس کتاب کی دل کشی کو بھی برقرار رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔ انھوں نے اپنے منفرد اسلوب اور انشاپردازی سے کتاب کو ایک شاہکار بنا دیا ہے ۔ "آوازدوست" میں طویل جملوں کی بہتات ہے لیکن اس کے باوجود وہ قاری کو اپنی جانب کھینچتے چلے آتے ہیں، یہی ان کی خوبی ہے۔ مختار مسعود چھوٹی باتوں کو طویل جملوں اور طویل باتوں کو مختصر جملوں میں مبدل کرنے کے ہنر پر دسترس رکھتے ہیں۔

سفر نصیب" مختار مسعود کی دوسری کتاب ہے جو جنوری ۱۹۸۱ میں پہلی مرتبہ سامنے آئی۔ اس کتاب کو اتنی شہرت ملی کہ تادم تحریر بارہ ایڈیشن مارکیٹ میں آچکے ہیں۔ یہ جداگانہ اہمیت کی حامل تصنیف ہے۔ مصنف نے اس میں بیک وقت دو نثری انصاف کو برتا ہے۔ "سفر نصیب" میں سفر نامہ کا مواد بھی ہے اور شخصیات کے خاکے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

بھی۔ یہ شخصیات مختار مسعود کے زبانی خاکے کی صورت میں قارئین کو جلا بخشنے کا باعث بنتی ہے۔ انتساب "تارِ نقش اور خطِ جادہ" کے نام ہے۔ کتاب میں نصیب تو فزیست کے نیست سے اخذ شدہ ہے۔ جس میں احساس اور شعور کی نمائندگی عیاں ہے۔ اس کے چار مضامین چار حصوں پر مشتمل ہیں۔ پہلے حصہ میں "برف کدہ" اور "پسِ انداز" کے تحت ذیلی عنوانات ہیں۔ دوسرے حصہ میں عنوانات کی تقسیم "طرفہ تماشا" اور "زادِ سفر" کے تحت ہے۔ اس کتاب کا ایک حصہ سفر نامہ اور دوسرا خاکے پر مشتمل ہے۔ "برف کدہ" قبائلی علاقہ جات کے سفر کی داستان ہے جب کہ "پسِ انداز" خاکوں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ کتاب کے دونوں حصے سفر کی کہانی بھی بیان کرتے ہیں اور ان میں شخصیات کے خاکے بھی موجود ہیں۔ اردو ادب کے اس بہترین شاہکار میں سفر کے تمام تر لوازمات کی پیش کش مدلل انداز میں ہے۔ اس میں مختار مسعود نے فلیش بیک کو بڑے خوب صورت انداز میں بروئے کار لایا ہے وہ اچانک ماضی میں لوٹ جاتے ہیں اور بڑے خوب صورت انداز میں ماضی کو حال کے ساتھ مربوط کر کے پیش کرتے ہیں۔ جنگ عظیم دوم تربیلا ڈیم، وادی سوات اور موسم حریف کا ذکر، گبرال وادی اور جھیل سیف الملوک، وادیِ چترال اور ہنزہ، سرزمین بیروت اور اجنتا ایلورہ کے غار، ڈاکٹر ایل۔ کے۔ حیدر، دریائے کنہار، پسکاریو کا قبرستان، طعام گاہوں میں داخلے پر پاکستان کی یاد، فلم سٹوڈیو کے احوال کا موازنہ، انجمن اسلامیہ، فضل الرحمان، خضدار اور لسبیلہ کا چرواہا۔

سفر نصیب کی داستان کا آغاز ہی سفر سے ہوتا ہے۔ اس میں مصنف مختلف ممالک سیر کرتا ہے اور مظاہر فطرت سے ہم کلام ہوتا ہے۔ مصنف ظاہری طور پر تو فطرت کے مناظر سے بات چیت کررہا ہے۔ لیکن پیش نظر میں انسانوں کی، مذہب اور ملکوں کے نام پر تقسیم کا ذکر ہے جو کسی جنگ زرگری اور کبھی سرد جنگ کی صورت میں دنیا کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ جب جہاز روانہ ہوتا ہے تو کچھ ہی دیر میں سفر کا پہلا قابل دید مقام آ جاتا ہے اور مصنف کھڑکی سے باہر جھانکا اور اسے منظر اور پس منظر دونوں نظر آئے۔ مصنف کی فلسفیانہ سوچ کے دھارے آپس میں ملتے ہیں وہ بدلتے ہیں اور مصنف کڑی سے کڑی ملاتا ہے اور نیچے جب وہ دیکھتا ہے کہ تربیلا ڈیم تعمیر کے آخری مراحل طے کررہا ہے تو تخیل کی رو کو فلیش بیک سے ایسے جوڑتا ہے کہ وہ دوسری جنگ عظیم کے دور میں خود کو محسوس کرتا ہے:

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29
ماخذ تحقیقی مجلہ

"وہ مسافر دریچے سے جوں ہی جھانکتا ہے تو اسے منظر کے ساتھ پس منظر بھی نظر آتے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ تربیلا بند مکمل ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ یہ ۱۰ مئی ۱۹۴۰ء کی بات ہے جب دوسری جنگ عظیم کے ابتدائی مراحل میں جرمنی، ہالینڈ پر حملہ آور ہوا۔ پانچ ایام میں ہی ہالینڈ ہتھیار ڈال گیا۔ ہٹلر کی فوج ان ایام میں فتح کے جھنڈے گاڑ رہی تھی۔ ملکہ انگلستان پہنچ گئیں اور مزاحمتی تحریک سے وابستہ لوگ منظر عام سے غائب ہو گئے۔ ہالینڈ کی باگ ڈور آرتھر وان کے ہاتھ آئی۔ جب آسٹریا کو شکست ہوئی تو یہ ہٹلر کے معاون تھے اس لیے انھیں جبراً حکومتی انتظام چلانے کا وسیع تجربہ تھا۔ پولینڈ کو جب شکست ہوئی تو وہاں کے نائب گورنر جنرل آرتھر نے لاکھوں افراد قید کیے جنھیں بیگار کیمپوں میں بھیجا گیا۔"۔[۲۸]

مصنف خیالات کی رو میں بہہ کر جنگ عظیم دوم کے اس تاریک دور کی ایسی تصویر پیش کرتا ہے جس سے اہل مغرب کے مکروہ چہرے بے نقاب ہو گئے۔ مختار مسعود کتاب میں مختلف قبائلی علاقوں کے سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے ان علاقوں کی مقامی ثقافت تہذیب و تمدن کو بیان کر رہے ہیں۔ اس طرح جب ہوائی جہاز وادی سوات سے گزرا تو مصنف کو اپنی شریک حیات کے ساتھ وادی سوات میں گزرے ہوئے لمحات اور باہمی زندگی کا باقاعدہ یاد آجاتا ہے اور مصنف فلیش بیک کے ذریعے ماضی میں چلے جاتے ہیں۔ بھرصیادم میں گل خان کے گانے اور پھولوں کی خوش بو سے لطف اندوز ہو کر کہتے ہیں:

"ہوائی سفاری کے جہاز کی کھڑکی کے ساتھ بیٹھے مسافر کو نیچے ایک وادی کی تھوڑی سی جھلک دیکھ کر اس ہم زاد کی یاد آئی جو مہکتی سانسوں کی تلاش میں کبھی وادی سوات جا پہنچتا ہے اور کبھی آدم پہاڑ کی چوٹی پر۔ گویا اس کے ذہن میں یادوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔"[۲۹]

مختار مسعود وادی سوات میں لطف اندور ہوتے ہوئے اپنی محبوب وادی گبرال میں جانکلتے اور ان علاقوں کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ گبرال، شرینگل اور پھنڈر جیسے پہاڑوں کی تصویر کشی اپنے مخصوص اسلوب کے ذریعے کرتے ہیں۔ مختار مسعود نہایت دل چسپ انداز میں جہاز کی کھڑکی سے ماضی کے لمحات کی یاد تازہ کرتے ہیں جو کہ ان کے دل کش اور عمدہ اسلوب کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مصنف کے کمال فن کا بہترین نمونہ ہے جیسے ہی جہاز وادی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

سوات کے حدود میں داخل ہوتے ہیں مصنف فوراً اپنی محبوب وادی میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں کے ماضی کے گزرے ہوئے لمحات کو یاد کرتا ہے۔ وہ قبل ازیں بھی یہاں آیا ہوا ہے۔ اس کے متعلق مصنف کا کہنا ہے:

"مسافر ایک دن محبوب حسن کے ہمراہ وادی گبرال پہنچ گیا۔ ستمبر ختم ہونے کو تھا اور گبرال میں دو موسموں کا راج تھا۔ دھوپ ہوتی تو بہار کا گمان، چھاؤں میں خنکی۔ محبوب حسن دھوپ چھاؤں جیسی طبیعت کے حامل تھے۔ مچلے کہ نالے میں نہایا جائے۔ مسافر نے یاد دلایا کہ ایک بار گرمیوں میں وہ دونوں اجازت کے بغیر براستہ جنگل مشرقی پاکستان کے کاکس بازار سے برما کے علاقے ابرامکان گئے اور واپسی پر ایک گم نام دریا کو تیرتے ہوئے عبور کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ مسافر نے دریا میں چھلانگ لگا دی اور وہ ٹھنڈ کے ڈر سے اس کشتی میں سوار ہو گئے جو جیپ کو پار لے جا رہی تھی۔ ان کا جواب تھا کہ بات موسم نہیں وقت کی ہوتی ہے۔ کبھی گرمی میں بھی سردی لگتی ہے اور کبھی سردیوں میں بھی گرمی۔ مسافر نے جواب دیا کہ میرا اشارہ بھی وقت کی طرف ہے۔ میں نے بچپن میں جب سے سنا اور پڑھا کہ بابر نے اپنے راستے میں موجود ہر دریا کو تیر کر عبور کیا تھا، اس دن سے جو خواہش دل میں تھی وہ نوجوانی میں مشرقی پاکستان کے دریا میں کود کر پوری ہوئی۔" (۳۰)

مختار مسعود نے نہ صرف قبائلی علاقوں کا سفر کیا بلکہ وہاں کی طرز معاشرت، مقامی تہذیب و ثقافت اور رسوم و رواج کو دیکھ کر وہاں کے حالات اور طبی خدوخال کو بھی زیر تحریر لایا۔ مختار مسعود جہاز کی کھڑکی سے فلیش بیک کے ذریعے وادی چترال کے قدرتی حسن اور ان لوگوں کے طرز عمل اور ثقافت کی یاد تازہ کرتے ہیں اور اس بارے میں مصنف رقم طراز ہے:

"دیر، چترال کا دروازہ ہے اور سوات اس کا صحن۔ مگر ایسے بھی ہو جاتا ہے کہ دروازے اور برآمدے تک رسائی حاصل کر کے بھی انسان گھر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ بلند علاقوں میں جہاں سے یہ جہاز جاتا ہے وہاں گھر بسانے انتہائی مشکل کام ہے۔ اس لیے یہاں کے باسی ایک سے زیادہ گھروں کے قائل ہیں۔ ایک گھر میں جب سردی ہو جائے تو دوسرے میں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29
ماخذ تحقیقی مجلہ

چلے جاتے ہیں۔پرانی دشمنیاں وہاں جینا حرام کر دیں تو مزید آگے چلے جاتے ہیں۔ایسے لوگ محنتی ہوتے ہیں۔"(۳۱)

مختار مسعود نے وادی چترال کی منظر کشی کرتے ہوئے ان لوگوں کے طرز زندگی اور رہن، سہن میں اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔دیر، چترال کا دروازہ، سوات صحن ہے البتہ یہاں کے لوگ طبعی حالات اور موسم کی خرابی کی وجہ سے دو دو گھر بناتے ہیں جب شدید برف باری ہوتی ہے تو یہاں کے مقامی باشندے دوسرے گھر میں سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔یہاں کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ منسلک نظر آتے ہیں اور یہاں چھوٹی چھوٹی چوٹیاں آپس میں پیوست ہیں۔ان علاقوں کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ سول سروس کے دوران ملاقات ہونے والے چند افسران اور اپنے قریبی ساتھیوں کو بھی یاد کرتے ہیں جن کا تعلق ان علاقوں سے تھا۔مختار مسعود وادی چترال کی جھلک دیکھ کر لوٹنے کو تھے کہ ہم سفر نے کان میں آہستہ سے سرگوشی کی کہ آج پھر چترال کا سفر کرنے کی خواہش ہماری سفر نہ ہو سکی ہم نے بس دور سے ایک جھلک دیکھی اور بادلوں نے واپس لوٹا دیا۔یوں لگتا ہے کہ ہماری خواہش لواری کی سرنگ کی طرح ہے۔لواری غار کا تذکرہ ہوتے ہی مصنف قاری کو اپنے خیالات کی براق پر سوار کر کے ماضی میں لے جاتا ہے اور اجنتا ایلورہ، خوشاب اور بیروت جا نکلتا ہے وہ لکھتے ہیں:

"ہم سفر نے کان میں آہستہ سے کہا، سفر چترال کی خواہش آج بھی پوری نہ ہوئی۔دور سے جھلک دیکھتے ہی بادلوں نے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔سترہ برس کی عمر میں اس نے اکیلے ہی ایک ہزار میل کا سفر اس لیے کیا کہ وہ ایسے مقامات پر پہنچ سکے خاص طور پر اجنتا اور ایلورہ کے غاروں تک۔زمانہ طالب علمی تھا اور لا علمی بھی تھی۔اس نے سوچا کہ یہ دونوں غار ایک جیسے اور ساتھ ساتھ ہیں۔اورنگ آباد پہنچتے ہی ان غاروں کے درمیان فرق اور فاصلے کا معلوم ہوا۔ایک سلسلہ منقش ہے دوسرا مصور۔(۳۲)

مختار مسعود قاری کو غاروں کی سیر کروانے کے بعد سرزمین بیروت لے گئے۔اور وہاں کے تمام مناظر اور تاریخ کر کے تمام پوشیدہ اوراق کو کھول دیا اور فلیش بیک کا بہترین استعمال اس مثال میں دیکھیں کہ کس خوب صورت انداز میں اس سرزمین کو بھی فلیش بیک تکنیک کے ذریعے ہمارے سامنے پیش کیا۔دوران سفر جب برصغیر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے تاریخی ادوار کے دور کا ذکر آتا ہے تو مصنف پھر ماضی کی طرف لوٹ جاتا ہے کہ جب مہاجرین دو اطراف سے ہجرت کرے ہوئے اپنے اپنے علاقوں کے حدود میں بھارت اور پاکستان کی طرف نقل مکانی کرتے ہیں۔ ان لمحات میں بھی فساد اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ ہر طرف کشیدگی تھی۔ ان حالات کے حوالے سے ڈاکٹر ایل کے حیدر نے اپنے سفر کی مختصر تصویر پیش کی ہے۔ انھوں نے علی گڑھ سے راولپنڈی سامان بھیجا لیکن تقسیم کی وجہ سے جدھر سے سامان بھیجا وہ جگہ بھارت میں رہ گئی اور جہاں سامان بھیجا وہ پاکستان کے حصے میں آ گئی۔ مختار مسعود نے ڈاکٹر ایل کے حیدر کی زبانی یہ روداد لکھی:

> "ایک روز ڈاکٹر ایل کے حیدر ریلوے کے گودام پہنچے اور سامان کی بکنگ کروائی۔ مال گاڑی کے دو ڈبوں میں سامان چڑھا، تالے بند ہوئے اور ویگنوں پر علی گڑھی سے راولپنڈی کا مہر بند شناختی پرچہ لگا دیا گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب نے قرآن شریف کھولا، فال نکلی "اور ہم تم کو کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے، تو صبر کرنے والوں کو خدا کی خوشنودی کی بشارت سنا دو"۔۔"(۳۳)

دریائے کہنار پاکستان کے شمالی علاقہ جات کا مشہور دریا ہے جو وادی کاغان و ناران سے بہتا ہوا مظفر آباد آزاد کشمیر میں دریا جہلم سے آ کر ملتا ہے۔ اس دریا کا پانی شفاف اور ٹھنڈا ہے اور یہ شمالی علاقہ جات کا مشہور دریا ہے۔ مصنف نے ہوائی جہاز سے اس کا نظارہ جب کیا تو وہ ماضی میں چلا جاتا ہے ساتھ ہی قاری کو بھی ان یادوں میں شامل کرتا ہے۔ ہوائی سفاری کا جہاز اب دریائے کہنار پر اڑ رہا ہے اس لمحہ میں مصنف کو نیچے وادیوں میں موجود پگڈنڈیوں اور سڑکوں کو دیکھ کر اس وادی میں گزرے ہوئے لمحات کی یاد آتی ہے ۔ یادوں کے اس دائرے میں سفر کرتے ہوئے مصنف یورپ میں جا نکلتا ہے۔ وہ چوٹی مشرقی یورپ کے اس حصہ میں واقع ہے جو پہلے خلافت عثمانیہ میں شامل تھا۔ اس متعلق مختار مسعود رقم طراز ہیں:

> "مسافر کو ان لمحات میں دو راہیں یاد آ رہی ہیں۔ ایک سڑک اور ایک پگڈنڈی۔ بس ایک ساحل کے سامنے والی چوٹی کی طرف جا رہی تھی جو مشرقی یورپ کے اس علاقہ میں موجود

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

ہے جو قبل ازیں عثمانیہ خلافت کا حصہ تھا۔ پھر مانٹی نیگرو کے طور پر آزاد ملک بنا۔ اب یو گو سلاویہ میں ایک صوبہ ہے۔ مانٹی نیگرو یعنی کوہ سیاہ اسی چوٹی کو کہتے ہیں۔ بس آرام دہ تھی۔ سڑک نئی بنی تھی۔ کہیں بل تھے اور کہیں چڑھائی، کہیں پیچ اور اترائی۔ پہاڑی سڑکیں عام طور پر ایسی ہی ہوتی ہیں۔ سفر آسانی سے گزر رہا تھا۔ آدھا راستہ کٹا تھا کہ بس رکی۔ مہمان دار نے سواریوں سے کہا کہ نظاروں سے لطف لینا ہے تو نیچے اتر جائیں۔ اس سے بہتر مناظر ہم بغیر رکے پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ اور اگر اس طرح کے سارے مناظر دیکھنے ہیں تو بس کے بجائے پیدل سفر کرنا چاہیے۔۔"(۳۴)

وادی چترال، ہنزہ سے ہوتے ہوئے مصنف تماشے کی تلاش میں برفستان جا نکلتا ہے۔ جہاں ہر طرف برف ہی برف جیسے یہاں مٹی کا نام ونشان نہ ہو بلکہ مٹی کی جگہ یہ برف سے بنی ہوئی دنیا ہو۔ مصنف فلیش بیک میں جا کر اس روداد کو بڑی سلیقہ مندی سے صفحہ قرطاس کی زینت بناتا ہے:

"تماشے کی تلاش مسافر کو ایک برفستان میں لے گئی۔ ہر طرف برف ہی برف جیسے یہ دنیا خاک سے نہیں برف سے بنی ہو۔ ہوائی جہاز گھنٹوں برف پر پرواز کرتا رہا اور جب اترا تو برف پر اترا۔ سواریوں کو دیر تک اترنے کی اجازت نہ ملی۔ برف صاف کرنے کی مشینیں کندھا لگا کر برف کو پرے دھکیلتی رہیں تب کہیں آدھا گھنٹہ کے بعد بس کو سیڑھیوں کے پاس آنے کا راستہ ملا۔ کہاز کے زینہ سے بس کے پائیدان تک جو ذرا سا فاصلہ ہے اسے طے کرتے ہوئے مسافر کو پشکن یاد آرہا ہے۔۔"(۳۵)

افریقہ سے واپسی پر مصنف کی ملاقات ایک اطالوی نوجوان سے ہوتی ہے مصنف کیا دیکھتا ہے کہ وہ نوجوان بے دھڑک ہر چیز منہ میں ڈالتا ہے خواہ وہ خوردنی ہو یا ناخوردنی، حلال ہو یا حرام، کیمیائی ہو یا نباتاتی، حیوانی یا انسانی جو چیز نگلنے کے قابل نہ ہو اس کو چوستا۔ مصنف اپنی ڈائری نکال کر اس میں تاریخ، وقت اور مقام کے ساتھ نام اور مزہ درج کر لیتا ہے۔ اس اطالوی نوجوان کا ایک فلسفہ اور نظریہ تھا۔ فلسفہ حاجات اور نظریہ خوراک اس بارے میں مصنف لکھتا ہے:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

"افریقہ سے واپسی پر ایک دل لگی باز نے پوچھا، اے سیاح پر ماجرا کیا تم نے وہاں کوئی آدم خور بھی دیکھا۔ مسافر نے جواب دیا، میری زنبیل میں ایک آدم خور بھی ہے مگر وہ عادی نہیں تجرباتی ہے سیاہ پوست نہیں سفید فام ہے۔ افریقی نہیں اطالوی ہے۔ اور حد یہ ہے کہ دیکھنے میں بڑا بھولا بھالا نظر آتا ہے۔ ایک بار اس کا اور مسافر کا ساتھ ہو گیا۔ مسافر نے دیکھا کہ وہ نوجوان بے دھڑک ہر نئی چیز کو منہ میں ڈال لیتا ہے خواہ وہ خوردنی ہو یا ناخوردنی، حلال ہو یا حرام، کیمیائی ہو یا نباتاتی، حیوانی ہو یا انسانی۔ جو چیز نگلنے کے لائق نہ ہو تو ہو اسے چوستا رہتا یہاں تک کہ اس کا ذائقہ پوری طرح گرفت میں آجاتا۔ پھر وہ اپنی ڈائری نکال کر اس میں تاریخ وقت اور مقام کے ساتھ نام اور مزہ درج کرلیتا۔ اس اطالوی نوجوان کا ایک فلسفہ اور نظریہ تھا۔ فلسفہ حاجات اور نظریہ خوراک۔ کہتا تھا کہ خوراک جسم کی سب سے بڑی تکراری حاجت ہے۔"(۳۶)

مصنف فلم سٹوڈیو کا موازنہ بڑے خوب صورت انداز میں کرتا ہے مسافر آج سنری بار ایک فلم سٹوڈیو میں داخل ہو رہا ہے۔ پہلے پہلی منزل اور پھر دوسری اور پھر تیسری مراحلے کو بیان کرتا ہے:

"مسافر آج تیسری بار ایک فلم سٹوڈیو میں داخل ہو رہا ہے۔ کم سنی میں اس نے برطانیہ کے دوسرے بڑے شہر میں لوہے کے پائدانوں پر کھڑے خشک درخت اور ان کی شاخوں پر اُگے ہوئے روتی کے پھول دیکھے تھے۔ دوسری بار اس نے کراچی میں ایک ایسے دانشور کو فلم بناتے دیکھا جن کے بارے میں حافظ شیرازی نے کہا ہے، تو اہل دانش و فضلی ترا گناہت بس۔ لکڑی اور گتے کے گھر کینوس کا اسکول ریڈیو کی آوازیں کرائے کے چہرے اور ان میں گھرے ہوئے اسد جن کی غزل فلمائی جا رہی تھی۔ چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد۔ آپ کی صورت دیکھا چاہیے۔ مسافر صورت حال دیکھنے کے لئے تیسری بار یونیورسل سٹوڈیو ہالی وڈ میں داخل ہوا۔ مسافر زیادہ حیران ہونے کے لئے تیار نہیں وہ جانتا ہے کہ یونیورسل سٹوڈیو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29
ماخذ تحقیقی مجلہ

چار سو بیس ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ چار بیس کا اطلاق ہر ایکڑ پر ہوتا ہے۔"(۳۷)

مختار مسعود نے "سفر نصیب" میں اپنے مختلف سفروں کی یادوں کو بڑے دلچسپ انداز میں یکجا کیا ہے۔ اس میں دنیا کے مختلف ممالک کے سیاحت، باشندوں کا احوال، اولمپک اور دوسری کھیلوں کا بیان، مشہور و معروف شخصیات کا تذکرہ اور ان پر تبصرہ موجود ہے۔ افریقہ، امریکہ، لاگوس، عالمی بنک، انجمن اسلامیہ، ضلع غذر، اور مختلف عالمی کانفرنسوں، سیمیناروں اور صنعتی نمائشوں کا ذکر شامل ہے۔ مختار مسعود میں ڈاکٹر غلام حسین اور اس کی انجمن اسلامیہ سے وابستگی کو خوب صورت پیرائے میں ڈھال کر قاری کے سامنے پیش کیا ہے:

"باہر کے دروازے کو کھولتے ہوئے کوئی اونچی آواز میں سلام کرتا ہے اور ایک پٹھان اندر آتا ہے۔ سیاہ رنگ میں رنگی داڑھی، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، ماتھا جھریوں سے بھرا ہوا، سر پر جناح کیپ لگائی ہوئی تھی، سر کے بال گر چکے تھے اور سر کی سطح گھسے ہوئے پائیدان کی طرح تھی۔ خان صاحب کے ذریعے علم ہوا کہ پچاس سال قبل یہاں پانی اور چارہ بہت زیادہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے مویشیوں کی بھی بہتات تھی۔ یہاں بدھ مت کے ہند چینی لوگ جانوروں کے ذبح کرنے اور گوشت و کھال کی تجارت کو برا سمجھتے تھے۔"(۳۸)

جب مسلم یونیورسٹی کا ذکر آیا تو مصنف کے دماغ میں فضل الرحمان کی یاد تازہ ہو گی اور وہ الٹے پاؤں ماضی کی طرف گامزن ہو گیا۔ اس بارے میں لکھتے ہیں:

"فضل الرحمان کا رنگ ڈھنگ اتنا نرالہ تھا کہ انھوں نے ابھی دم تک نہ لیا تھا مگر ان سے کئی کہانیاں منسوب ہو گئیں۔ ان کے حوالے سے جان بوجھ کر کسی نے غلط بیانی تو نہیں کی مگر جس جس نے ان کے کردار و حالات کو دلچسپ پایا تو اس نے اپنی رائے اور تجزیہ کو کہانی کا روپ دے کر پیش کر دیا۔"(۳۹)

مختار مسعود نے اپنی اس کتاب میں دنیا کے تمام خطوں کا ذکر کیا۔ غاروں کا قصہ جب آتا ہے تو وہ دنیا بھر کی غاروں کی سیر کرواتے ہیں۔ اسی طرح جب چراوہا سامنے آتا ہے تو اس پس منظر میں بہت سے مزید چراوہے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

سامنے آجاتے ہیں۔ معاشیات کا ذکر کیا تو معیشت کے ٹھیکے دار سامنے آئے۔ سفر نامے میں خوب صورت مناظر ایک دوسرے کے تعاقب میں نظر آتے ہیں۔ زمانہ حال کے آئینہ میں ماضی کی جملہ جزئیات کے ساتھ متحرک تصویروں کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مختار مسعود کے خوش بیان تہذیبی اسلوب نے اس سفر نامے کو ادب کی حقیقت میں شامل کر دیا۔ یہ ایک آپ بیتی بھی ہے۔ جگ بیتی بھی۔ تاریخ بھی ہے اور روزنامچہ بھی۔ جغرافیہ بھی اور نثری شاعری بھی۔ نظیر احمد صدیقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "مختار مسعود کی کتاب "سفر نصیب" اس لحاظ سے صنفِ سفر نامہ میں بلند پایہ اضافہ ہے کہ اس میں سفر کے زمان و مکان، لطف سے بھرپور بیان کے نمونے بھی ہیں اور دلچسپ مقالمہ نگاری اور مصوری بھی موجود ہے۔ حالات و واقعات پر بے باک تبصرے اس کی اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ گویا اس کتاب کے صفحہ اول سے آخر تک انشاپردازی کے عمدہ نمونے موجود ہیں"۔ (۴۰)

زمانی اعتبار سے "سفر نصیب" مختار مسعود کی دوسری کتاب اور صنفی اعتبار سے یہ ایک سفر نامہ ہے۔ جب کہ تخلیقی اعتبار سے یہ کتاب بھی "آواز دوست" کے ہم آواز ہے۔ اس کے دو حصوں میں مشرق و مغرب کی سیاحت کی داستان کا امتزاج ہے۔ پہاڑ، دریا، غاروں، چرواہے، معاشیات، انقلابات، شخصیات، شرک و کفر، عقائد و عبادات، غرض حیات انسانی اور افکار انسانی سے وابستہ اور متعلقہ ہر رنگ، ہر خصوصیت اور افادیت کا ذکر اذکار "سفر نصیب" کے صفحات کی بہار ہے۔ "سفر نصیب" مختار مسعود کی یادوں کی بارات ہے۔ یہ کتاب ان کے ماضی کی بہترین آئینہ دار ہے۔ سفر نصیب" مختار مسعود کی فلیش بیک تکنیک کے استعمال کے حوالے سے بہترین نمونہ ہے۔ اندرون پاکستان کے سفر ناموں میں جس خوب صورتی سے اس تکنیک کا استعمال مختار مسعود نے کیا ہے اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ "سفر نصیب" میں زبان کا حسن، محاورے کا چٹخارہ، بیان کی چاشنی، علمیت کا زور، دل کا خلوص، قلب کی سچائی، بیان کی سادگی، قطعیت اور طنز کی آمیزش موجود ہے۔ ظرافت اور مزاح کی تشنگی ہے لیکن ناقابل برداشت نہیں کی کہیں نہ کہیں مسافر اس سے فیض حاصل کر لیتا ہے اور لبوں پر تبسم آجاتا ہے۔

ماخذ تحقیقی مجلّہ
ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

حوالہ جات

۱۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۴۷

۲۔ اردو ادب، فیس بک پیج، فلیش بیک تکنیک، ویب سائیڈ، دورہ بتاریخ ۲۸ اپریل ۲۰۲۳ء

۳۔ مختار مسعود، آوازِ دوست، فائن بکس پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۲

۴۔ ایضاً، ص ۱۱

۵۔ ایضاً، ص ۲۰

۶۔ ایضاً، ص ۲۰

۷۔ ایضاً، ص ۲۴

۸۔ ایضاً، ص ۱۷

۹۔ ایضاً، ص ۴۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۶۴۔۱۶۵

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۸۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۴۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۶

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۱۲۔۱۱۳

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۹

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۴

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۱

۲۰۔ ایضاً، ص ۷۸

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

۲۱۔ ایضاً، ص ۵۲

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۱۱

۲۴۔ ایضاً، ص ۴۰۔۴۱

۲۵۔ ایضاً، ص ۵۰

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۱

۲۷۔ مختار مسعود، سفر نصیب، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص ۱۵۔۱۷

۲۸۔ ایضاً، ص ۳۱۔۳۲

۲۹۔ ایضاً، ص ۴۱۔۴۲

۳۰۔ یضاً، ص ۴۸۔۵۰

۳۱۔ ایضاً، ص ۵۵

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۳۳

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۷۷

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۷۵

۳۵۔ ایضاً، ص ۲۵۶۔۲۵۸

۳۶۔ ایضاً، ص ۱۸۸۔۱۸۹

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۹۶۔۱۹۷

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۹۹

۳۹۔ ایضاً، ص ۲۹۹

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۹۹